میں حدیث اور روایت کا تعارض ہو تو روایت کو ترجیح ہوگی۔

قہقہہ سے وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے مسئلے میں ارشاد فرماتے ہیں:

لولا جاء من الاثار کان القیاس علی ما قال اھل المدینہ و لکن لا قیاس مع اثر، ولیس ینبغی الا ان ینقاد للاثار

''اگر قہقہہ سے وضو ٹوٹنے کے حوالے سے مذکورہ روایات نہ ہوتیں، تو قیاس تقاضا یہی تھا جو اہل مدینہ کا مسلک ہے، لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس نہیں ہوتا اور نصوص کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی مناسب ہے۔''

قیاس کے بارے میں ان تین ضابطوں کو اگر باب القیاس کا خلاصہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ نیز ان سے یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ ائمہ حنفیہ کی نظر میں نصوص و روایات کا کیا مقام تھا۔ امام محمد کی ان تصریحات کے بعد بھی کوئی حنفیہ پر قیاس کو ترجیح دینے کا الزام لگائے گا تو علمی دنیا میں اس سے بڑی غلط فہمی نہیں ہوگی۔

شریعت کے عمومی قواعد اور نصوص کے خلاف روایت کا حکم

امام محمد نے جا بجا اس اہم اصول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کوئی روایت اگر شریعت کے عمومی قواعد وضوابط کے خلاف ہو، تو وہ روایت نہیں لی جائے گی۔

صلاۃ الکسوف میں دو رکوع والی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

السنۃ المعروفۃ فی غیر الکسوف علی رکعۃ وسجدتین فی کل رکعۃ و کیف صارت صلاۃ الکسوف مخالفۃ لغیرھا من جمیع الصلوات، فانما ذلك شیء یقرب بہ الی اللہ تعالی، فالصلاۃ واحدۃ وفی کل رکعۃ قراءۃ ورکعۃ واحدۃ وسجدتان، فاما الرکعتان فی رکعۃ فھذا امر لم یکن فی شیء من الصلوات لا فی صلاۃ عید ولا فی جمعۃ ولا فی تطوع ولا فی فریضۃ، فکیف ذالك فی صلاۃ الکسوف ؟

''کسوف کے علاوہ نماز کے بارے میں معروف طریقہ ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں، تو نماز کسوف باقی تمام نمازوں کے کیسے مخالف ہوگی؟ حالانکہ یہ نماز بھی دیگر نمازوں کی طرح تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے، تو نماز ہونے میں سب نمازیں ایک جیسی ہیں، اور باقی نمازوں میں ہر رکعت میں قراءت، ایک رکوع اور دو سجدے ہیں، لیکن ایک رکعت میں دو رکوع ایسا حکم ہے جو کسی بھی نماز میں ثابت نہیں ہے، خواہ وہ جمعہ کی نماز ہو، نفل ہو یا فرض، تو یہ حکم کسوف کی نماز میں کیسے ہو سکتا ہے؟''

اس عبارت میں امام محمد نے نمازوں کے بارے میں شریعت کے عمومی قاعدے (نمازوں میں ایک ہی رکوع ہے) کی وجہ سے کسوف میں دو رکوع والی روایت کو ظاہر پر رکھنے کی بجائے اس کی تاویل کی ہے۔

ایک اور جگہ مختلف احادیث میں ترجیح کا اصول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اذا جاء الحدیثان المختلفان ان ینظر الی اشبھھما بالحق، فیوخذ بہ و یترك ما سوا ذلك

''جب دو مختلف احادیث آ جائیں تو حق کے موافق روایت کو لیا جائے گا اور دوسری روایت کو ترک کیا

جائے گا۔''

یہی اصطلاح امام محمد نے ایک اور جگہ بھی استعمال کی ہے، چنانچہ سواری پر وتر پڑھنے سے متعلق مختلف احادیث روایت کر کے لکھتے ہیں:

فروی ان ابن عمر رضی الله عنهما کان ینزل بالارض فیوتر علیها ویروی ذلك عن النبی صلی الله علیه وآله وسلم فاخذنا باوثقها واشبهها بالحق وبما جاء ت به الآثار من التشدید فی الوتر

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ زمین پر اتر کر وتر پڑھتے تھے، اور اسی طرح خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، تو ہم نے ان میں سے قابل اعتماد، حق کے موافق اور ان روایات کے مطابق روایت لی، جن میں وتر کے مسئلے میں سختی منقول ہیں۔''

ایک جگہ قصاص کے مسئلے میں مزید وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

فلیس ینبغی ان یترك ما یوافق السنة و الکتاب

''مناسب نہیں ہے کہ اس روایت کو چھوڑ دیا جائے جو کتاب وسنت کے موافق ہو۔''

ایک اور مقام پر اسے ''اشبہ بالکتاب والسنۃ'' سے تعبیر کیا ہے۔

سجدہ سہو کے مسئلے میں اہل مدینہ کی دلیل حضرت عبداللہ ابن بحینہ کی حدیث پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قیل لهم افنقبل هذا بترك السنة والآثار المعروفة بقول رجل لا یروی عنه غیر حدیث واحد؟

''اہل مدینہ سے کہا جائے گا کہ کیا اس مسئلے میں سنت اور معروف احادیث کو ایک آدمی کی حدیث کی وجہ سے چھوڑا جا سکتا ہے جن سے اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔''

چنانچہ اس کے بعد اپنی تائید میں کافی آثار پیش کیے ہیں۔

صلوۃ الخوف کے مسئلے میں اہل مدینہ کے مسلک پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال محمد بن الحسن و کیف یستقیم هذا وانما جعل الامام لیؤتم به فی ما جاء عن رسول اله صلی الله علیه وآله وسلم فی ما لا اختلاف فیها فاذا صلت الطائفة الاولی الرکعة الثانیة قبل ان یصلیها الامام فلم یاتموا بالامام فیها

''محمد بن حسن کہتے ہیں کہ کہ یہ طریقہ کیسے درست ہو سکتا ہے، حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا کسی اختلاف کے منقول ہے کہ امام اقتداء کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا جب پہلے گروہ نے دوسری رکعت امام کے پڑھنے سے پہلے مکمل کر لی، تو اس میں امام کی اقتداء انہوں نے نہیں کی۔''

یہاں بھی امام محمد رحمہ اللہ نے امامت کے بارے میں شریعت کے عمومی قاعدے سے استدلال کیا ہے، کہ شریعت کا متفقہ اصول ہے کہ مقتدی امام کی اقتدا کرتے ہیں، جبکہ اس صورت میں مقتدی اقتدا کرنے کی بجائے امام کی مخالفت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

امام محمد کی مذکورہ کتاب میں جا بجا اس اصول کی اصل ملتی ہے کہ شریعت کے قواعد عامہ اور نصوص متواترہ کے خلاف روایت قبول نہیں ہوگی۔ اسی اصول کو بعد میں امام محمد کے شاگرد رشید امام عیسیٰ بن ابان نے زیادہ تنقیح کے ساتھ اس طرح پیش کیا کہ اگر راوی غیر فقیہ ہو، تو قواعد عامہ کے خلاف ہونے کی صورت میں اس کی روایت قبول نہیں ہوگی۔ (راوی کی فقاہت کے حوالے سے بھی کتاب الحجۃ میں بحث ہے جسے ان شاء اللہ آگے ذکر کریں گے)۔ امام عیسیٰ بن ابان کے بیان کردہ اصول پر دیگر مسالک اور خود بعض ائمہ حنفیہ کی طرف سے شدید ردعمل سامنے آیا اور اسے امام عیسیٰ بن ابان اور چند فقہاء کا تفرد کہا جانے لگا، اور خاص طور پر یہ بے بنیاد پروپیگنڈا کیا گیا کہ حنفیہ کے نزدیک قیاس روایت پر مقدم ہے اور اس اصول کو سمجھے بغیر اس کی بنیاد پر حنفیہ کو رائے اور قیاس کی وجہ سے احادیث وآثار چھوڑنے کا بے بنیاد الزام دیا جانے لگا۔ ذیل میں ہم اس کی اہمیت کی وجہ سے اس پر کچھ مختصر بحث کرتے ہیں:

تقدیم القیاس علی الخبر کی بحث

سب سے پہلے اس بات کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ قیاس وخبر کے تعارض کی صورت میں ترجیح کا معاملہ روز اول سے فقہاء میں معرکۃ الآراء رہا ہے۔ مجلّہ جامعہ اسلامیہ کے ۲۰۱۱ کے شمارے میں ڈاکٹر سعید منصور کا "رفع الالتباس اذا تعارض خبر الواحد القیاس" کے عنوان سے ایک ضخیم مقالہ چھپا ہے۔ اس میں محقق نے اس مسئلے کے بارے میں فقہاء کے دس مذاہب بیان کے ہیں۔ یہاں ان مذاہب کی تفصیل اور ان میں راجح مذہب سے قطع نظر یہ بتانا مقصود ہے کہ اس مسئلے میں فقہائے کرام میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، لہٰذا صرف حنفیہ نے بقیہ ائمہ مجتہدین سے الگ مسلک نہیں اپنایا، بلکہ اس میں ان کے ہم نوا دیگر فقہاء بھی ہیں، اور خاص طور پر راوی کی فقاہت کی شرط میں بھی بعض ائمہ حنفیہ کے ساتھ بعض مالکیہ بھی ہیں، لہٰذا ایسا مسئلہ جس میں شروع ہی سے متعدد آراء موجود ہوں، ان میں اگر حنفیہ یا بعض حنفیہ نے ایک مسلک اختیار کیا، جن میں ان کے ساتھ دیگر فقہاء بھی ہیں، تو صرف حنفیہ کو مورد الزام ٹھہرانا پروپیگنڈے یا تعصب کا نتیجہ ہے۔

دوسری بات اس بحث میں یہ اہم ہے کہ جب قیاس پر خبر کی تقدیم کی بحث کی جاتی ہے، تو اس میں قیاس سے کیا مراد ہوتا ہے؟ لفظ قیاس کی صحیح مراد متعین نہ ہونے کی بنیاد پر بھی اس مسئلے کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ قیاس کا ایک عام مفہوم تو قیاس اصطلاحی ہے، یعنی علت مشترکہ کی بنیاد پر منصوص مسئلے کا حکم غیر منصوص مسئلے پر لگانا۔ اسے قیاس اصولی بھی کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ قیاس کا اطلاق قواعد عامہ اور اصول ثابتہ پر بھی ہوتا ہے۔ کتب فقہ خصوصاً ہدایہ میں جس مسئلے میں "خلاف القیاس" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس میں عام طور پر قیاس سے مراد اصل، ضابطہ اور قاعدہ عامہ ہوتا ہے۔ بطور نمونے کے صرف ایک مثال پر اکتفاء کرنا چاہوں گا:

حائضہ عورت کے ذمے نماز کی قضاء اور روزے کی قضا نہ ہونے کے حوالے سے علامہ عینی رحمہ اللہ ایک اشکال کی صورت میں فرماتے ہیں:

> فان قلت وجوب القضاء یبنی علی وجود الاداء فی الاحکام، فکیف تخلف هذا الحکم هاهنا؟ قلت الاصل هذا، ولکنه ثبت علی خلاف القیاس۔

''اگر تم کہو کہ قضاء کا وجوب ادا کے وجود پر مبنی ہوتا ہے، تو یہ حکم اس (روزے) مسئلے میں کیسے نہیں لگا، تو میں